سیرت پاک کی ابتدائیات

محمد افضل

ٹرانسلیشن آفیسر

اسلامی نظریاتی کونسل

دنیا میں اہل علم کا کوئی طبقہ ایسا نہیں جس نے اپنے اپنے فن کی میزان نقد میں سیرت کے مضامین و تحقیقات کو نہ تولا ہو۔ حفاظ نے اسکی آیات قرآنی کو پڑھا۔ محدثین نے اس کی حدیثیں جانچیں، فقہاء نے احادیث سے پیدا ہونے والے پھل سے نکلنے والے مرکب کو انسانی خون میں شامل کرنے کا ذمہ لیا، ادباء نے اس کے عربی اشعار اور ترجموں پر نقد کیا، علمائے انساب نے اسماء کی تنقیح کی، منجملہ حساب دانوں نے اس کی زائچے اور تاریخ پر نظر ثانی کی، اہل تاریخ و سیر نے واقعات کی جانچ پڑتال کی اور انہوں نے اپنے نتائج وافکار سے ہم کو مطلع کیا اور یوں سب کے سب اپنے علم کے ذریعے جدید دور کے انسانوں کے لیے فائدہ اُٹھانے کا ذریعہ بنے اور علم و فہم کے درجات کی تکمیل میں اہم کردار ادا کیا۔

حضرات انبیائے کرامؑ کمالات و فضائل اخلاقی سے یکساں سرفراز تھے مگر زمانہ اور ماحول کی ضروریات اور مصالح الٰہی کی بنا پر ان تمام کمالات کا عملی ظہور تمام انبیاء میں یکساں نہیں ہوا بلکہ بعض کے بعض کمالات اور دوسروں کے دوسرے کمالات زیادہ نمایاں ہوئے یعنی جس زمانہ کے حالات کے لحاظ سے جس کمال کے اظہار کی ضرورت ہوئی وہ پوری شدت سے ظاہر ہوا اور دوسرے کمال کا جس کی اس وقت ضرورت پیش نہیں آئی یہ مصلحت بہ کمال ظہور نہیں ہوا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیائے کرام کے مراتب کمالیہ میں جزئی تفاوت بھی ہے۔

آج کے اس ترقی یافتہ دور میں بھی تمام ادوار کے لوگوں کی طرح سوانح عمری کی ضرورت ہے۔ یہ ضرورت صرف اسلامی یا مذہبی نہیں بلکہ ایک عملی ضرورت ہے ایک اخلاقی ضرورت ہے، ایک تمدنی ضرورت ہے، ایک ادبی ضرورت ہے اور مختصر یہ کہ مجموعہ ضروریات دینی و دنیوی ہیں۔ آج کل کی قلت علم اور ناآشنائی فن نے عام لوگوں میں یہ خیال پیدا کر دیا ہے کہ سیرت فن حدیث ہی کی ایک خاص قسم کا نام ہے یعنی احادیث میں سے وہ واقعات الگ لکھ دیئے گئے جو حضور ﷺ کے اخلاق و عادات ہیں تو سیرت بن گئی اور چونکہ حدیث میں متعدد کتابیں ایسی موجود ہیں جن میں ایک حدیث بھی ضعیف نہیں، مثلاً صحیح البخاری اور صحیح مسلم تو یہ کہنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ سیرت میں کوئی کتاب آج تک صحت کے التزام کے ساتھ نہیں لکھی گئی، اس کے لیے یہ خیال ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ سیرت کا اطلاق کس چیز پر ہوتا ہے محدثین اور ارباب رجال کی قدیم اصطلاح یہ ہے کہ حضور ﷺ کے خاص غزوات کو مغازی اور سیرت کہتے تھے چنانچہ ابن اسحاق کی کتاب المغازی میں یہ دونوں نام ایک ہی کتاب کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ فقہ کی بھی یہی اصطلاح ہے۔ فقہ میں جو باب الجہاد والسیر باندھے جاتے ہیں اس میں سیرت کے لفظ سے غزوات اور جہاد کے احکام مراد ہوتے ہیں۔ اس بنا پر محدثین کی اصطلاح میں مغازی اور سیرت عام فن حدیث سے الگ علم ہے یہاں تک کہ بعض مواقع پر ارباب سیر اور محدثین دو مقابل کے گروہ سمجھے جاتے ہیں۔ اس بحث کا ماحصل یہ ہے کہ سیرت ایک جداگانہ فن ہے اور بعینہٖ فن حدیث نہیں ہے اور اس بناء پر اس کی روایتوں میں اس درجہ کی شدت احتیاط ملحوظ نہیں رکھی جاتی ہے جو فن حدیث ستہ کے ساتھ مخصوص ہے اس کی مثال یہ ہے کہ فقہ کا فن قرآن و حدیث ہی سے ماخوذ ہے لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ قرآن یا حدیث ہے یا ان دونوں کے ہم پلہ ہے۔

بعض اہل فن سیرت کی ابتداء اور تحریری سرمایہ کا آغاز خلیفہ منصور عباسی کے زمانہ تقریباً ۱۴۳ھ سے سمجھتے ہیں اور اس سے پہلے علم زبانی صورت میں تھا مگر یہ خیال شاید صحیح نہیں ہے کیونکہ عرب میں لکھنے پڑھنے کا رواج مدت سے تھا۔ قدیم زمانہ میں حمیری اور نابتی خطوط مشہور تھے البتہ اسلام سے قبل عربی خط ایجاد ہوا، جس کی بہت سی صورتیں بدل کر آج کی صورت منظر عام پر آئی۔ عربی زبان کے بانیوں میں ابو جاد، ہواز، حطی، کلمون، سعفصن، قریشات کے نام نمایاں ہیں۔ بعض اہل علم کے نزدیک عربی خط ایک شخص نے ایجاد کیا جو بنو محتلد بن نضر بن کنانہ کے خاندان سے تھا۔ غالباً یہ وہ زمانہ تھا جب قریش نے عروج حاصل کیا تھا۔ ابن ندیم نے لکھا ہے کہ میں نے مامون الرشید کے کتب خانہ میں ایک دستاویز دیکھی تھی، جو عبد المطلب ابن ہاشم کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی اس کے یہ الفاظ تھے:

"یہ عبد المطلب بن ہاشم کا قرضہ فلاں شخص پر ہے جو صنعاء کا رہنے والا ہے۔ یہ چاندی کے ہزار درہم ہیں۔ جب طلب کیا جائے گا وہ ادا کرے گا۔ خدا اور فرشتے اس کے گواہ ہیں"۔

ابن الندیم کے مطابق حضور ﷺ کی بعثت پر سترہ اشخاص لکھنا پڑھنا جانتے تھے یعنی حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ، حضرت عبیدہؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زیدؓ، حضرت ابو حذیفہؓ، ابو سفیانؓ، حضرت شفاؓ بنت عبد اللہ وغیرہ۔

البتہ یہ بات تحقیق طلب ہے کہ سیرت کا کوئی تحریری سرمایہ موجود تھا یا نہیں حضور ﷺ کی وفات تک حسب ذیل تحریری سرمایہ مہیا ہو گیا تھا۔

۱... جو حدیثیں حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ یا حضرت علیؓ وانسؓ وغیرہ نے قلم بند کیں۔

۲... تحریری احکام اور معاہدات اور فرامین جو حضور ﷺ نے قبائل کے نام بھیجے۔

۳... خطوط جو حضور ﷺ نے سلاطین اور امراء کے نام ارسال فرمائے۔

۴... پندرہ سو صحابہؓ کے نام۔

حضور ﷺ کے بعد تحریری ذخیرہ کو اس قدر ترقی ہوئی کہ ولید بن یزید کے قتل کے بعد جب احادیث و روایات کا دفتر ولید کے کتب خانہ سے منتقل ہوا تو صرف امام زہریؒ کی مرویات اور تالیفات گھوڑوں اور گدھوں پر لاد کر لائی گئیں۔

سیرت کی کتابوں میں معراج کے حوالے سے عقلی دلائل ملتے ہیں، اسی طرح اسی واقعہ پر علم و فہم کی بہ ترتیب منازل کی جھلک بھی عیاں ہوتی ہے۔ معراج جسمانی یا روحانی، خواب یا بیداری پر جمہور کا مذہب یہ ہے کہ معراج جسمانی اور

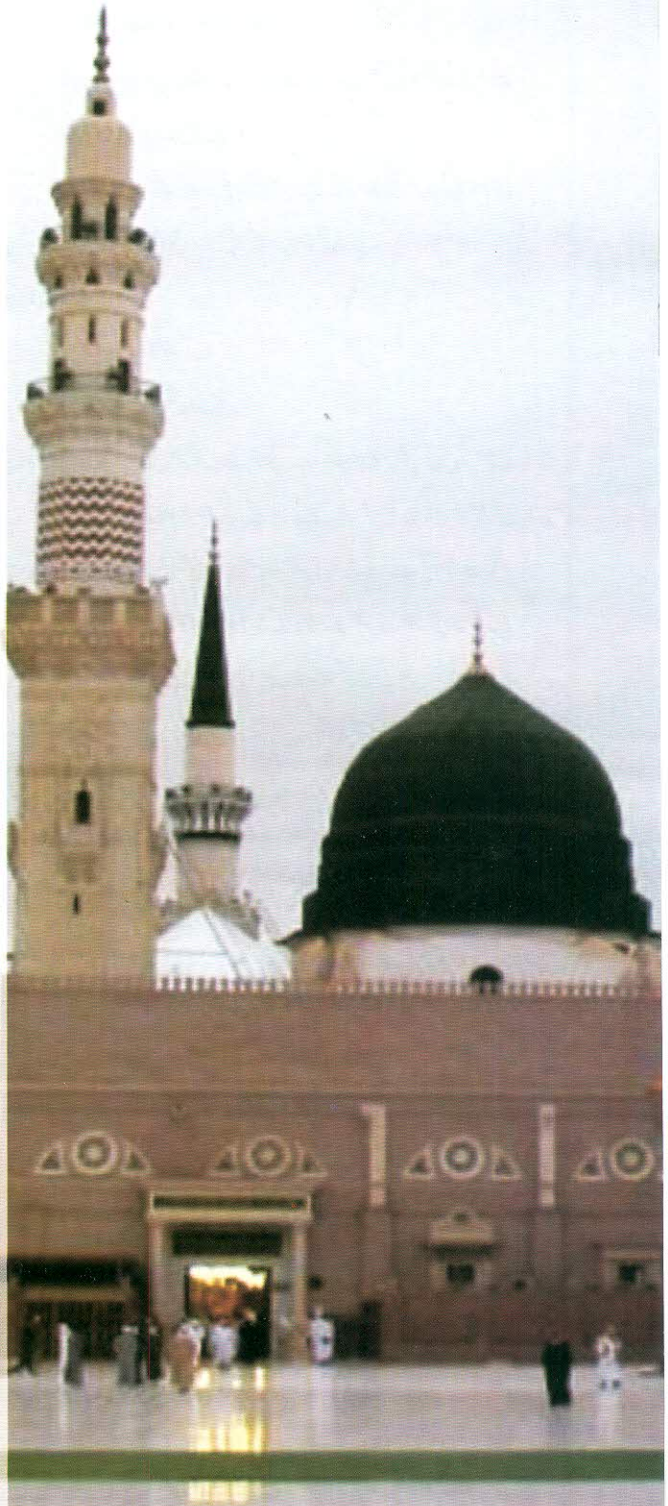

بیداری کی حالت میں ہوئی تھی۔ مفسرین میں ابن جریر طبری سے لے کر امام رازی تک نے جمہور کے اس مسلک پر چار عقلی دلیلیں بھی قائم کی ہیں جو حسب ذیل ہیں:

۱... قرآن میں ہے "پاک ہے وہ ذات جو (شب معراج میں) لے گیا اپنے بندہ (عبد)" کو اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا اپنے "بندہ" کو لے گیا "بندہ" یا "عبد" کا اطلاق جسم پر اور جسم اور روح دونوں کے مجموعہ پر ہوتا ہے تنہا روح کو "عبد" یا "بندہ" نہیں کہتے ہیں۔

۲... واقعات معراج میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم براق پر سوار ہوئے اور دودھ کا پیالہ نوش فرمایا، سوار ہونا، پینا یہ سب جسم کے خواص ہیں۔ اس لیے یہ معراج جسمانی تھی۔

۳... قرآن میں ہے کہ "اس مشاہدہ معراج کو ہم نے لوگوں کے لیے معیار آزمائش بنایا ہے" اگر یہ عام خواب ہوتا تو یہ آزمائش ایمان کی کیا چیز تھی اور اس پر ایمان لانا مشکل کیا تھا۔

۴... اگر واقعہ معراج رویا اور خواب ہوتا تو کفار اس کی تکذیب کیوں کرتے۔

امام شافعی کے نزدیک نبی میں علم و فہم کے تین درجے ہیں۔ وحی، ملکہ نبوت اور عام عقل بشری۔ ان میں سے اول و آخر کے نبوت کے لیے اب کسی استدلال کی ضرورت نہیں کہ اول تو یہ مسلمات ہیں اور دوسرے سلف صالحین میں سے بعض نے اسکو القاء فی الروع "دل میں ڈالنا" نبی کی حکمت قلبیہ، توفیق ازلی اور قوت تبیین سے تعبیر کیا ہے۔(۱)

میں نے قرآن کے ان اہل علم سے، جن کو پسند کرتا ہوں، یہ سنا کہ حکمت حضور کی سنت کا نام ہے۔(۲)

سیرت النبی کا مقصود غالباً اخلاق کی پاکیزگی، ایمان کی ترقی ہے۔ مصر کے فاضل اجل محمد غزالی اپنی کتاب فقہ السیرۃ کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

میں نے مقدور بھر کوشش کی ہے کہ قاری کے سامنے سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی تصویر پیش کروں۔ اس کے ماوراء میرا مقصود یہ ہے کہ کتاب سیرت النبی تحریر ہو جو ایمان کو پروان چڑھائے، اخلاق کو پاکیزگی بخشے، نبرد آزمائی کا شعلہ روشن کرے، سچائی کو سینے سے لگانے اور اس کے ساتھ وفا کا حق ادا کرنے کا جذبہ عطا کرے۔

سیرت کی کتابوں میں "الکفر ملۃ واحدۃ" کفر ملت واحدہ ہے، کے بارے میں ذکر ملتا ہے۔ جس سے امر ہذا میں منازل بھی نمایاں ہوتی ہیں۔ آج کے زمانے میں غالباً اس کی عملی توثیق دکھائی دیتی ہے۔ یہ قول سیدنا حضرت عمر فاروقؓ کا ہے جسے قاضی ابو یوسفؒ نے امام ابو حنیفہؒ سے روایت کیا ہے۔

انہوں نے اپنے شیخ حماد سے، انہوں نے مشہور تابعی بزرگ سعید بن جبیرؒ سے روایت کیا کہ سیدنا حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا:

"الکفر کلہ ملۃ واحدۃ" (۳)

امام اعظم ابو حنیفہؒ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبلؒ کا کفر کے ملت واحدہ ہونے پر اجماع ہے۔

اللہ تعالیٰ کے احکامات کو نبی کے طریقے کے مطابق کرنے کا نام ہی دراصل شریعت ہے اور اللہ تعالیٰ ساری کائنات کا خالق ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"ان الحکم الا للہ"

حکم کسی کا نہیں، مگر اللہ کا۔

اس لیے اسلام میں حاکم حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے لیکن احکام الٰہی کی دو قسمیں ہیں ایک تشریعی یعنی وہ احکام جو انبیاء کے ذریعے سے شریعت بن کر نازل ہوئے ہیں اور دوسرے تکوینی یعنی وہ احکام جو نظری حیثیت سے مخلوقات عالم میں ودیعت کئے گئے ہیں ان دونوں قسموں کے لحاظ سے صرف اللہ ہی حاکم ہے اور اسی کا حکم جاری و ساری ہے دنیا میں ایسے بادشاہ گزرے ہیں جنہوں نے نمرود و فرعون بن کر دعوائے بادشاہی کیا اور ایسے بھی گزرے ہیں جنہیں تکوینی احکام الٰہی کے آگے سرنگوں ہو کر جان دینی پڑی۔

اسلام میں علوم کے تدوین کے زمانے میں یہ مسئلہ کہ حاکم شرع اللہ تعالیٰ ہے۔ اصول کا مسئلہ بن گیا، چنانچہ علم عقائد اور اصول فقہ کی کتابوں میں اس مسئلہ پر بحثیں موجود ہیں۔

علم اصول فقہ میں یہ مسئلہ اس حیثیت سے زیر بحث آیا ہے کہ واضع قانون صرف اللہ تعالیٰ ہے اور میں نے اسی کے امر و نہی سے بندوں کے فرض اور واجب اور حرام و حلال کو جانا۔ علامہ آمدی اپنی کتاب "الاحکام فی اصول الاحکام" میں لکھتے ہیں:

جاننا چاہیے کہ حکم دینے والا اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حکم وہی ہے جس کا اللہ نے حکم فرمایا اور اسی اصل مسئلہ پر یہ مسئلہ متفرع ہوتا ہے کہ عقل نہ کسی چیز کو اچھا کہتی ہے نہ برا اور یہ کہ محسن کا شکر عقلاً نہیں اور یہ کہ شرع کے ورود سے پہلے کوئی حکم نہیں۔(۴)

مقصود یہ ہے کہ احکام شریعت اور قانون شرعی کا واضع صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اسی کا حکم ہے اور اسی کا قانون قانون ہے۔ اس بناء پر شرع کے نزول سے پہلے تنہا عقل کی رو سے کوئی حکم فرض، واجب، سنت مستحب یا حرام، ناجائز و مکروہ کی صورت میں نجس کے قائل پر ثواب یا عتاب کا حکم عائد کیا جا سکے، یہ ہرگز نہیں ہو سکتا اور نہ عقل اپنی تنہا کوشش سے کسی بات کو بہ اعتبار ثواب یا عذاب کے اچھا یا برا کہہ سکتی ہے۔

علامہ ابن ہمام حنفی المتوفی ۸۶۱ھ تحریر میں لکھتے ہیں:

"اس میں اختلاف نہیں کہ حکم کا واضع پرودگار عالم ہے"۔

اگر غور کیا جائے تو پسند اور نفرت کی بھی حدود ہیں جو درجہ اولی اور ادنیٰ کے فلسفے کے درجات کا تعین کرتی ہیں۔

قاضی بیضاوی المتوفی ۶۱۵ھ کی منہاج الاصول کی شرح میں علامہ اسنوی واضح کرتے ہیں:

حسن وقبح اور شے کے اچھے یا برے ہونے کے ایک معنی یہ ہیں کہ اس شے کو فطرت پسند کرتی ہے یا اس سے نفرت رکھتی ہے، جیسے ڈوبتوں کو پانی سے باہر نکالنا اچھی بات ہے اور کسی کا مال ظلم سے لینا برا ہے۔ اس کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ ایک کمال کی صفت ہے اور دوسری نقص کی جیسے علم اچھا ہے اور جہل برا ہے۔ ان دونوں معنوں کے لحاظ سے ان کے اچھے یا برے ہونے کا عقل کی رو سے فیصلہ کرنے میں اختلاف نہیں ہے۔ اختلاف اس میں ہے کہ کس فعل پر ثواب اور کس پر عذاب کے تعیین کا فیصلہ صرف شریعت سے معلوم ہو سکتا ہے۔ اشاعرہ اور عام اہلسنت کے نزدیک حسن وقبح کے یہ دونوں فیصلے صرف عقل پر موقوف نہیں اور معتزلہ کہتے ہیں کہ عقل اس کا فیصلہ کر سکتی ہے۔ اور اس فیصلے کے لیے حکم الٰہی کے ورود کا انتظار نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ پر بندوں کے مصالح اور مفاسد کی مراعات واجب ہیں شریعت کے نزول سے عقل کا فیصلہ مضبوط اور مستحکم ہو جاتا ہے۔(۵)

صاحب بحر العلوم نے شرح مسلم الثبوت میں اس مسئلہ کی شرح میں اس کی تردید کی ہے فرماتے ہیں:

اس مسئلہ پر حکم صرف اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ تمام امت کا اجماع ہے اور ہمارے مشائخ کی بعض کتابوں میں یہ جو لکھا ہے کہ ہمارے نزدیک یہ ہے اور معتزلہ کے نزدیک واضع قانون وحاکم عقل ہے یہ غلط ہے کیونکہ ایسے کہنے کی جرأت ایسے شخص کو نہیں ہو سکتی جو مسلمان ہونے کی ذمہ داری ادا کرنا جان سکتا ہے چاہے شرع اس میں وارد ہو یا نہ ہو اور یہی ہمارے اکابر مشائخ کے نزدیک بھی ثابت ہے۔(۶)

حواشی

۱- امام شافعی، محمد بن ادریس، کتاب الرسالۃ، ص ۷۸، تحقیق: احمد محمد شاکر، ط: دار الکتاب العلمیۃ بیروت۔

۲- ایضاً

۳- القرطبیؒ، ابو عبداللہ، محمد بن احمد بن ابی بکر بن فرح، الجامع لأحکام القرآن: جلد ۲، ص ۹۱، مکتبہ شاملہ۔

۴- آمدی، ابوالحسن، علی بن محمد، الاحکام فی اصول الأحکام، جلد ۱، ص ۱۱۹، تحقیق: ڈاکٹر سید الجمیلی، طبع اول، دار الکتاب العربی، بیروت۔

۵- تحریر ابن ہمام، بر حاشیہ، ص ۹۰۔

۶- بحر العلوم، لکھنوی، عبد العلی محمد بن نظام الدین محمد السالوی، فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت، جلد ۱، ص ۳۳، مکتبہ شاملہ۔